۲ سپاہی اور بٹ مار

شمس الرحمٰن فاروقی

پیش درس

آپ نے گزشتہ جماعت میں مولوی عبدالحلیم شرر کے ناول 'فردوسِ بریں' کے اقتباس کا مطالعہ کیا ہے۔ یہ ناول ایک تاریخی ناول ہے جس میں ایک خاص زمانے کے کچھ حقیقی اور کچھ تخیلی کردار مخصوص واقعات سے گزرتے ہیں۔ تاریخی ناول میں اکثر تاریخ کے حقیقی کردار سے کم سروکار رکھا جاتا ہے۔ ان کا وجود ناول کے واقعات کو حقیقی رنگ دینے کے لیے معاون ہوسکتا ہے۔ 'فردوسِ بریں' میں واقعے کا تاریخی پس منظر حقیقی ہے لیکن اس کے کرداروں پر بیتنے والے واقعات تخیلی ہیں۔ اسی طرح ناول 'قبض زماں' میں جس سے یہ اقتباس ماخوذ ہے، ہندوستان کی تاریخ کا ایک خاص زمانہ واقعات کے پس منظر میں موجود ہے۔ یہ لودھی خاندان کا زمانہ ہے جس میں سکندر لودھی کے ایک سپاہی کے ساتھ گزرنے والے حادثے کو بیان کیا گیا ہے۔

ناول کا درج ذیل واقعہ سولھویں صدی کے ہندوستان کے مخصوص معاشرے کی تصویر پیش کرتا ہے جس میں بادشاہ، عوام، امیر، سپاہی اور راہزن جیسے کردار سامنے آتے ہیں۔ ان تصویروں کے امتزاج سے معلوم ہوتا ہے کہ سماج کے مذکورہ افراد کا آپسی ربط ضبط کیسا تھا۔

جان پہچان

شمس الرحمٰن فاروقی ۱۵؍جنوری ۱۹۳۵ء کو پرتاپ گڑھ (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے الٰہ آباد یونیورسٹی سے ایم.اے. تک تعلیم حاصل کی اور انڈین پوسٹل سروسیز میں پوسٹ ماسٹر جنرل کے عہدے سے وظیفہ یاب ہوئے۔ ان کی ادبی خدمات کے صلے میں ملک اور غیر ملک کی یونیورسٹیوں نے انھیں اپنی اعزازی ڈگریوں سے سرفراز کیا۔ 'سوار' ان کے افسانوں کا مجموعہ ہے۔ ان کا ناول 'کئی چاند تھے سرِ آسماں' جدید ادب میں کلاسک کی حیثیت رکھتا ہے۔

شمس الرحمٰن فاروقی بلند پایہ شاعر، نقاد اور فکشن نگار ہیں۔ ماہنامہ 'شب خون' کے مدیر کی حیثیت سے ادبی صحافت میں بھی وہ ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ میؔر اور غالبؔ کے شارح کے علاوہ انھوں نے مترجم کے طور پر بھی اپنی شناخت بنائی ہے۔ ملک کی آزادی کے بعد جن نقادوں نے مغربی نظریات کو اُردو میں متعارف کروایا اور تنقیدی ادب کو وسعت عطا کی، ان میں فاروقی کا نام اہمیت کا حامل ہے۔ انھوں نے شاعری میں زبان کی اہمیت اور نوعیت، ہیئت و موضوع کی وحدت اور ترسیل و ابلاغ کے مسئلے پر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ انھوں نے اپنے مضامین میں لفظ و معنی کے رشتے پر خصوصی بحث کی ہے۔

میؔر و غالبؔ کے اشعار کی تشریح و تعبیر میں انھوں نے مغربی تنقیدی نظریات کے پہلو بہ پہلو کلاسیکی نظامِ فن کو خصوصیت کے ساتھ مدنظر رکھا ہے۔ ان کی پہلی تصنیف 'لفظ و معنی' ہے۔ اس کے علاوہ 'شعر، غیر شعر اور نثر، عروض، آہنگ اور بیان، افسانے کی حمایت میں، شعر شور انگیز، تعبیر کی شرح' وغیرہ ان کی مشہور کتابیں ہیں۔

ایک بار تھانیسر کے علاقے سے اطلاع آئی کہ ہندوؤں نے ایک تالابِ قدیم کو از سرِ نو تعمیر کرکے وہاں میلہ ایک ماہ بہ ماہ منعقد کرنا شروع کیا ہے اور پوجا پاٹھ بھی کرتے ہیں اور گھنٹ ناقوس بھی بجتے ہیں۔ پس اس باب میں حکمِ عالی کیا صادر ہوتا ہے؟ سلطان والا شان نے مفتیِ اعظم سے مشاورت کرکے فرمان لکھوایا کہ وہ اپنے مذہب پر ہیں، پس جب تک ان کے مناسک و رسوم کے باعث کوئی خطرا امن و امان کے لیے نہ ہو، ان سے ہرگز کچھ تعرض نہ کیا جائے۔

انتظامِ سلطنت میں ہشیاری اور خبرداری کی غرض سے حضرتِ دہلی اور اس کے گرد و نواح میں اسّی ہزار مسلّح فوج ہر وقت تیار رہتی

تھی۔ کہیں سے ذرا بھی بدامنی کی خبر آئی اور جُیوشِ سلطانی حرکت میں آ گئے۔ تغلق آباد، غیاث پور، بیگم پورہ، سیری اور کیلوکھیڑی جو پایۂ تخت کے پرانے شہر تھے، ان سب میں میدان وسیع و مرتفع و مسطح دیکھ کر فوجوں کے لیے مقرر کر دیے گئے تھے۔ میں جس فوج میں تھا، وہ غیاث پور سے ذرا ورے کنارِ جمنا پر قیام کرتی تھی۔ اس ندی کو جن نے دیکھا ہے، وہی اس کے وسیع پاٹ کا قیاس کر سکتے ہیں۔ برساتوں میں ندی پر دریائے اعظم کا گمان ہونے لگتا۔ غازی آباد میں ہنڈن کے ورلے کنارے سے کچھ آگے جنوب کی طرف سے لے کر اوکھلے تک سارا علاقہ پانی سے بھر جاتا۔ اسی بنا پر اس علاقے کو خَلقُ اللہ طنزاً پٹ پڑ گنج کہنے لگی تھی حالانکہ وہاں مچھروں، پسوؤں، جونکوں اور دیگر لساع کیڑوں کے سوا گنج کے نام پر کچھ نہ تھا۔

واللہ! وہ بھی کیا زمانے تھے۔ بارہ برس میں میرا درماہہ بارہ تنکے سے بڑھتے بڑھتے بیس ہو گیا تھا۔ اس زمانے میں پانچ تنکا ماہانہ پانے والے اجلے خرچ سے رہتے تھے۔ سلطان بہلول لودھی کو اللہ بخشے، ان کا جاری کیا ہوا تانبے کا سکہ بہلولی کہلاتا تھا۔ وہ اب بھی رائج تھا اور اس میں طاقت اس قدر تھی کہ آدمی یہاں سے کول تک کا سفر اپنے گھوڑے کے ساتھ کرتا تو ایک بہلولی اس کے لیے کافی ہوتا۔ مجھے اپنے گھوڑے کے ساز و یُراق، سائیس اور اسلحے کی دیکھ بھال پر بہت صرف کرنا پڑتا تھا، پھر بھی میں ہر مہینے تین سے چار تنکے گھر بھجوا دیا کرتا تھا۔

اب سلطان سکندر کا یہ اکیسواں سنۂ جلوس تھا۔ میری بیٹی بارہ برس کی ہو کر تیرھویں میں لگی تھی۔ گھر سے خبر آئی کہ اس کی سگائی اور پھر بیاہ آئندہ برساتوں سے پہلے ہو جائے تو خوب ہو۔ مجھے بلایا گیا تھا کہ جا کر سب معاملات طے کر دوں۔ ہر چند کہ خداوندِ عالم سلطان سکندر نے شرع شریف کی پابندی پر بہت کچھ زور دیا تھا لیکن ہم ان اطراف کے گنوار مسلمانوں میں ہندوؤں کی بو باس ابھی بہت کچھ باقی تھی۔ جمعے کے سوا ہر دن ہم لوگ ہندوانی دھوتی پہنتے تھے۔ جمعے کو البتہ دوہر کا ڈھیلا سفید پاجامہ گاڑھے کا اور محمودی کا کرتا پہنا جاتا تھا۔ ہماری عورتیں گھر سے باہر نکلتی تھیں لیکن لمبا گھونگھٹ کاڑھ کر۔ ہر گھر میں ایک صندوق تھا جس میں دیوالی اور دسہرے اور عید، بقرعید، شُبرات کے لیے روپیا پس انداز کیا جاتا تھا۔ شادی کی رسمیں بہت کچھ ہندوانہ تھیں۔ کنیا دان یا جہیز کی صورت نہ تھی لیکن لڑکے والے شادی سے پہلے منگنی لے کر ضرور آتے اور اس موقعے پر شادی سے کچھ ہی کم خرچ ہوتا۔ نکاح کے بعد رخصتی (جسے ہم لوگ گون یا گَونا کہتے تھے) اکثر بہت دیر سے ہوتی تھی۔ ہندوؤں کی طرح ہمارے یہاں بچکانہ شادی کا رواج تو نہ تھا لیکن منگنی، پھر نکاح پھر گون کی رسمیں کچھ نہ کچھ وقفے سے ادا ہوتی تھیں۔

جیٹھ نکل کر اساڑھ کی آمد آمد تھی جب میں نے گھر جانے کا ارادہ کیا۔ تین ساڑھے تین سو تنکوں کا انتظام میں نے کر لیا تھا کہ مصارفِ شادی اس سے کم بھلا کیا ہوں گے۔ ارادہ تھا کہ شام ہونے کے پہلے لیکن عصر کے بعد چل نکلوں کہ موسم ٹھنڈا ہو چکا ہوگا۔ ایک منزل کرتے کرتے غروب آفتاب ہونے لگے گا، کہیں کوئی اچھی سرائے دیکھ کر رات گزار لوں گا اور صبح ٹھنڈے ٹھنڈے اپنے گاؤں ننگل خُرد پہنچ لوں گا۔ زادِ سفر بہت تھوڑا رکھا، تحفہ تحائف کی ضرورت نہ تھی کہ سارا سامانِ شادی اور دیگر رسومِ شادی کے لحاظ سے گھر کی عورات ہی کو خرید کرنا تھا۔ سواری کے لیے گھوڑا تھا ہی اور کچھ درکار سپاہی کو نہ تھا۔ میرا راستہ نہر فیروز شاہی کے بائیں کنارے سے لگا ہوا، کئی کوس چل کر پھر نہر سے کٹ جاتا تھا۔

وزیر پور پر نہر فیروز شاہی خود ہی خم کھا کر کرنال اور حصار کی جانب رواں ہو جاتی تھی۔ دو رُویہ گھنے پیڑ اور آتی برسات کے

بادلوں کی دھندلی روشنی نے نہر کے دونوں طرف نیم تاریکی سی پیدا کر دی تھی۔ ایک جگہ خم اس قدر سخت تھا کہ خم کے پہلے اور بعد دونوں سرے نظر نہ آتے تھے۔ خم میں داخل ہو جائیں تو گویا دونوں طرف کی راہ بند ہو جاتی تھی لیکن خطر کوئی نہ تھا۔ حکومت میں سلطان والا شان کی راہیں سب محفوظ تھیں اور یہ جگہ تو حضرتِ دہلی سے کوئی پانچ چھ کروہ تھی۔ درحقیقت میرے لیے جگہ رات کے پڑاؤ کی یہاں سے بہت دور نہ تھی۔ میں گھوڑے پر سوار گنگناتا دُلکی چلتا چلا جا رہا تھا۔ سامنے ایک پُلیا تھی جس کے نیچے نالہ ابھی خشک تھا۔ پلیا کے ورلی طرف ایک بڑھیا، نہایت تباہ حال نظر آئی۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے کچھ دعائیہ لہجے میں مگر ذرا بلند آواز میں پکارا، ''اکیلے دُکیلے کا اللہ بیلی!''

پھر اس نے بہت مسکین لیکن پھر بھی بلند آواز میں مجھ سے کہا، ''اللہ کی راہ میں کچھ دے دو بیٹا۔ بیوہ دکھیا پر ترس کھاؤ۔''

میں نے سوچا، سفر میں ہوں، نیک کام کے لیے جا رہا ہوں، اس وقت اسے کچھ دے دوں تو نیک شگون ہوگا۔ پھر میں نے گھوڑا آہستہ کیا، راس کو بڑھیا کی طرف موڑ کر جھکا، شلوکے کی جیب میں ہاتھ ڈالا کہ کچھ نکال کر بڑھیا کو دے دوں۔ یک مرتبہ کسی نے مجھے پیچھے سے دھکا دیا۔ مَیں غصّے میں اُس کی طرف مڑ کر بدزبانی کرنے ہی والا تھا کہ کسی اور نے ایک دھکا اور دیا۔ میں بے قابو ہو کر بائیں طرف کو لڑکھڑایا۔ گھوڑا الف ہونے لگا۔ راس میرے ہاتھ سے نکل گئی۔ گھوڑا الف ہو کر کدھر گیا، یہ میں نہ دیکھ سکا کہ کسی نے اتنی دیر میں میرے سر پر کالا کپڑا ڈال کر مجھے اندھا کر دیا تھا۔ کپڑا اتنا موٹا اور پسینے کی بدبو سے بھرا ہوا تھا کہ مجھے ابکائی آ گئی اور میری سانس رکنے لگی۔ کپڑا فوری طور پر میری گردن پر کس دیا گیا تو میں سمجھا کہ یہ بٹ مار ہیں۔ جان نہ بچے گی، میری بٹی کا کیا ہوگا، میں نے کمر سے خنجر نکالنا چاہا کہ ایک دو کو ختم ہی کر دوں۔ یہ نہیں جانتے کہ کس کے گھر بیعانہ دیا ہے۔ ایک دو کو تو مار ہی کر مروں گا۔

میری سانس اب بالکل ہی رکی جا رہی تھی۔ ابکائیوں اور خنجر نکالنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے کی کوششوں میں سانس ٹوٹی جاتی تھی۔ میں نے پوری قوت سے چلّا کر ان کو برا بھلا کہنا چاہا لیکن اب تک میری مُشکیں بھی کَس لی گئی تھیں۔ میری کمر میں ہِمیانی بندھی ہوئی تھی۔ اسے نہایت صفائی سے کاٹ کر نکال لیا گیا۔ گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنائی دی، پھر کسی نے اس کو چمکارا اور چپ کیا۔ گھوڑوں کی چوری میں بھی ظالم اس غضب کے مشّاق تھے کہ بہ ظاہر گھوڑا ابھی پلک جھپکتے میں رام ہو گیا۔ سارا کام مکمل خاموشی میں ہوا تھا۔ پھر میرے سر پر سے کپڑا کھینچ لیا گیا لیکن اس سے پہلے کہ میں کچھ کر سکتا، میرے منہ میں ایک اور کپڑا، پہلے سے بھی زیادہ بدبودار اور متعفن، ٹھونس کر ساتھ ہی ساتھ آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی۔ پھر کچھ دوڑتے ہوئے قدموں اور گھوڑے کی ہلکی ٹاپ کی آواز۔ دونوں آوازیں بہت جلد مدھم ہو کر غائب ہو گئیں۔ کسی کے سانس لینے کی بھی آواز نہ سنائی دیتی تھی، بات کرنے یا کھانسنے کھنکھارنے یا ہنسنے کی تو بات ہی کیا تھی۔ میں یہ تو سمجھ ہی گیا کہ یہ پرلے درجے کے مشّاق بٹ مار ہیں اور وہ بڑھیا ان سے ملی ہوئی تھی لیکن یہ بھی تھا کہ وہ مجھے جان سے مارنا نہ چاہتے تھے۔ ان کا منشا محض یہ تھا کہ مجھے بے دست و پا کر کے چھوڑ دیں اور اتنی دور نکل جائیں کہ میں ان کا تعاقب نہ کر سکوں اور نہ کسی کو آگاہ ان کے بارے میں کر سکوں۔

مجھے رنج سے بڑھ کر غصہ تھا کہ میں، سارے عالم میں مانے ہوئے سلطان کی سارے عالم میں مانی ہوئی فوج کا سپاہی اور یوں کسی کچھوے کی طرح پکڑ لیا جاؤں کہ مدافعت اپنی میں ایک وار بھی نہ کر سکوں۔ لعنت ہے ایسی سپہ گری پر اور تُف ہے ایسی سلطانی پر کہ رعایا یوں بے کھٹکے دن دہاڑے لٹ جائے! میں یہاں یوں ہی مجبور پڑا رہا تو کیا پتا رات میں کسی موذی جانور کا شکار ہو جاؤں۔ کیا

خبر مجھے کوئی اور بٹ مار قتل کر کے جو کچھ میرے بدن پر کپڑے اور تھیلی میں ستو اور جلیبیاں ہیں اور شلوکے کی جیب میں چند سکے بہلولی ہیں، انھیں بھی لے کر چمپت ہو جائے۔ میں نے چیخنا چاہا لیکن وہ متعفن کپڑا میرے حلق تک یوں ٹھنسا ہوا تھا کہ میں اگر بولنے کی کوشش میں منہ یا حلق پر کچھ زیادہ زور ڈالتا تو کپڑا شاید میرے حلق کے اندر ہی اُتر جاتا۔ وقت کتنا گزر گیا تھا، مجھے اس کا کچھ علم نہ تھا۔ مغرب تو ہو ہی چکی تھی لیکن کہیں دور سے بھی اذان کی آواز یا مندروں میں گھنٹے کی پکار یا چراگاہ سے واپس ہوتے ہوئے کسان یا چرواہے کے ساتھ مویشیوں کے ریوڑوں کی گھنٹیوں کی آواز، کچھ بھی نہ سنائی دیتی تھی۔ دانہ دُنکا چن کر اپنے گھونسلوں کو لوٹنے والی چڑیوں کے جھنڈ اگر تھے تو یا تو ابھی واپس نہ ہو رہے تھے یا وہ بھی شام کی تنہا شفق میں چپ چپاتے نکل گئے تھے یا اگر آواز کوئی سنائی دینے والی تھی بھی تو زور سے چلانے کی کوشش سے میرے کانوں میں سائیں سائیں اس قدر ہونے لگی تھی کہ کچھ سن لینا مشکل تھا۔

کیا بہت دیر ہوگئی تھی؟ کیا اب کوئی آنے والا نہیں ہے؟ ابھی ابھی میں نے شیر کی دہاڑ سنی تھی۔ شیر تو اس علاقے میں تھے نہیں، ہاں گُلدار بہت تھے۔ گلدار تو جمنا کے کنارے کی کچھاروں میں دہلی سے کرنال تک چھوٹے ہوئے سانڈوں کی طرح بے روک ٹوک گھومتے تھے اور بھیڑیے بھی۔ گلداروں کی تو ہمتیں اس قدر کھلی ہوئی تھیں کہ دہلی کے مضافات میں جو آبادیاں بہ وجہِ نقلِ مکانی کے ذرا چھِدری ہو جاتیں، ان کے خالی گھروں میں گلدار آباد ہو جایا کرتے تھے۔ یہاں تو میں جمنا کے کنارے سے دور تھا۔ سلطان فیروز شاہ خلد مکانی نے یہ نہر بنوائی ہی اسی لیے تھی کہ جمنا کا پانی جن علاقوں میں پہنچتا نہیں ہے، وہاں بہ ذریعہ اس نہر کے پہنچ جائے لیکن یہاں بھی اب گھنے درختوں اور نہر کی رطوبت نے کچھار جیسا سماں پیدا کر دیا تھا۔ سلطان فیروز کو اللہ نے جنت میں اونچا مقام ضرور دیا ہوگا۔ انھوں نے اس راہ میں اور کول کی راہ میں جگہ جگہ شاہی سرائیں بنوائی تھیں جہاں کوئی بھی مسافر کچھ رقم دیے بغیر ٹھہر سکتا تھا اور اچھا ہی تھا کہ انھوں نے یہ حکم دے دیا تھا کہ سراؤں کا خرچ تمام خزانۂ سلطانی سے ادا ہو ورنہ مجھ جیسے لٹے پٹے مسافر کو تو راہ میں ایک وقت کی روٹی اور سر چھپانے کے لیے چھت کے لالے پڑ جاتے۔

میں نے بہت چاہا کہ راہ کے کسی پتھر سے رگڑ کر اپنے ہاتھوں کو بندش سے آزاد کرا لوں لیکن ایک تو اس اندھیرے میں پتھر کہاں ملتا پھر میری آنکھوں پر اندھیری جو چڑھی ہوئی تھی اور ہاتھ پیٹھ پر بندھے ہوئے تھے۔ پاؤں کے بند کو رگڑ کر کاٹنے کی کوشش میں جگہ جگہ خراشوں کے سوا کچھ ہاتھ نہ لگا تھا۔

رات تو بے شک ہو چکی ہوگی۔ کہیں درختوں کے پیچھے کچھ کھسر پھسر تو نہیں ہو رہی ہے؟ کہیں وہ واپس تو نہیں آ رہے ہیں؟ یہ آواز کیسی ہے؟ میں نے بہت غور سے سننا چاہا لیکن کانوں میں سائیں سائیں اب بھی ہو رہی تھی۔ ہاں، یہ کچھ نئی سی آواز تھی۔ ٹھہر ٹھہر کر آ رہی تھی۔ کہیں کسی مندر میں گھنٹ ناقوس تو نہیں بج رہا؟ نہیں، یہ تو گہری اور دور تک پھیلنے والی آواز تھی۔ ٹن...ٹنن...ٹن...ذرا رک رک کر...کوئی فیل نشین ادھر آ رہا تھا...میرا دل بلّیوں اُچھلنے لگا۔ شاید میری جان بچ ہی جائے گی۔ ہاتھی کی گھنٹیوں کی آواز نزدیک آئی، آہستہ ہوئی، ٹھہر گئی۔

''معتبر سنگھ، ذرا دیکھنا۔ یہ راہ میں کیا پڑا ہوا ہے؟'' مضبوط، ٹھہری ہوئی آواز لیکن کسی فوجی عہدے دار یا شاہی اہل کار کی نہیں، بلکہ کسی ایسے شخص کی تھی جو عیش و عشرت میں پلا بڑھا رئیس زادہ ہو۔ ''نہیں، ابھی اترو نہیں، پاس سے دیکھو۔''

میں نے ہاتھ پاؤں ہلانے کی سعی اور تیز کر دی کہ مہاوت سمجھ لے کہ میں زندہ ہوں۔

”عالی جاہ! لگتا ہے ڈاکوؤں نے کسی شخص کو گھائل کر کے ڈال دیا ہے۔“ نہایت مؤدّب آواز آئی۔

”نیچے اترو۔ اس غریب کی کیفیت دریافت کرو۔ اچھا یوں کرو۔ ہاتھی کو ذرا اور آگے لے جا کر کہو کہ سونڈ سے اس آدمی کو اٹھا کر اوپر میرے پاس لے آئے۔ چلو، شاباش۔“

معتبر سنگھ نے ہاتھی کو کچھ آگے بڑھایا لیکن کتنا، اس کا مجھے اندازہ نہ ہو سکا۔ معتبر سنگھ نے ہاتھی سے سرگوشی میں کچھ کہا اور کئی بار کہا۔ پھر مجھے لگا کہ کوئی بہت ہی طاقتور اور کئی گز لمبا موٹا اجگر مجھے بانہہ میں لپیٹ کر بَلوں میں اپنے اٹھائے لیے جا رہا ہے۔ میں نے سہم کر خود کو چھوٹا کرنے کی کوشش کی لیکن کہاں میں اور کہاں وہ زبردست بادلوں جیسا زور۔ آن کی آن میں ہاتھی نے مجھے رئیس کے ہودے کے آگے مہاوت اور مالک کے بیچ کی جگہ میں دھانس دیا۔ بلا سے جگہ تنگ تھی لیکن اب میں ضیقِ جان سے تو بچ نکلا تھا۔

معتبر سنگھ نے یا شاید مالک نے بھی اس کا ہاتھ بٹایا۔ مجھے بہ آسانی اس عفونت سے بھرے اور شاید تیل اور تھوک سے بھی چکٹے ہوئے میرے حلق میں ٹھنسے ہوئے کپڑے اور آنکھ کی پٹی سے آزاد کر لیا گیا۔ تاہم مجھے اپنی آواز دوبارہ حاصل کرنے میں کچھ وقت لگا۔ تھوک کو بہ مشکل گھونٹتے ہوئے میں نے فیل نشین کے سوال کے جواب میں مختصر لفظوں میں اپنی بپتا کہہ سنائی۔

”تو سپاہی جی، تم دوہرے خوش نصیب تھے۔ ان لوگوں نے تمھیں زندہ چھوڑ دیا اور پھر ہم ادھر آ نکلے۔“

”بندے کا بال بال آپ کے احسان سے گُندھا رہے گا۔ میں تو سمجھا تھا کہ شیر بھیڑیا، کوئی نہ کوئی مجھے کھا ہی لے گا۔“

”خیر، رسیدہ بود بلائے... ہوا سو ہوا۔ میں بہادر گڑھ جا رہا ہوں۔ وہاں تک بہ آسانی تمھیں پہنچا دوں گا۔ آگے جو تمھارا جی چاہے۔“

معانی واشارات

بٹ مار	-	راہزن، لٹیرے
گھنٹ	-	گھنٹا
ناقوس	-	سنکھ جو ہندو پوجا کرتے وقت بجاتے ہیں۔
مشاورت کرنا	-	باہم مشورہ کرنا، تبادلۂ خیال کرنا
مناسک	-	منسک کی جمع، مذہبی ارکان، عبادت کے مقامات
تعرّض	-	اعتراض، رکاوٹ
جُیوش	-	جیش کی جمع، فوجیں
ورلے کنارے	-	کنارے سے پرے، کنارے سے ہٹ کر
لساع	-	ڈسنے والے کیڑے
درماہہ	-	ماہانہ تنخواہ
اُجلا خرچ	-	فیاضی کے ساتھ خرچ کرنا
ساز و یراق	-	لڑائی کا سامان، ہتھیار
دوبر	-	کپڑے کی دُگنی چوڑائی
گاڑھا	-	موٹا سوتی کپڑا
محمودی کُرتا	-	کپڑے کی ایک قسم، ململ کا کُرتا
کروہ	-	کوس
راس	-	لگام
شلوکا	-	آدھے آستین کا کرتا
یک مرتبہ	-	اچانک
گھوڑا الف ہونا	-	گھوڑے کا پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہونا، بدکنا
کس کے گھر بیعانہ دیا		مراد کس کو چھیڑا
ہمیانی	-	روپے پیسے رکھنے کی تھیلی

مشّاق	-	ماہر، چالاک
رام ہونا	-	قابو میں آنا
متعفّن	-	بدبودار
گُلدار	-	چیتا
خلدمکانی	-	جنتی
لالے پڑنا	-	دشوار ہونا، مشکل ہونا
فیل نشین	-	ہاتھی سوار
مہاوت	-	فیل بان، ہاتھی کو ہانکنے والا
دھانس دینا	-	ٹھونس دینا، دھنسا دینا
ضیقِ جان	-	سخت پریشانی
عفونت	-	بدبو، گندگی
رسیدہ بود بلائے	-	بلا آئی تھی۔ پوری فارسی مثل یوں ہے : ”رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت“ (بلا آئی تھی لیکن خیر سے گزر گئی)

مشقی سرگرمیاں

✻ خاکے پر مبنی سرگرمیاں

۱۔ سبق سے موزوں لفظ تلاش کر کے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

پرانے شہر

۲۔ سبق سے موزوں لفظ تلاش کر کے خاکہ مکمل کیجیے۔

ہندوستانی مہینے کے نام

کپڑے کی قسم کو ظاہر کرنے والے الفاظ

۳۔ سبق سے موزوں لفظ تلاش کر کے خاکہ مکمل کیجیے۔

ہندوؤں کے تہواروں کو ظاہر کرنے والے الفاظ

مسلمانوں کے تہواروں کو ظاہر کرنے والے الفاظ

۴۔ سبق سے موزوں لفظ تلاش کر کے خاکہ مکمل کیجیے۔

سلطان کا نام	تانبے کا سکہ جاری کرنے والا
نہر فیروز شاہی بنوانے والا	فیل بان کا نام

✻ ہدایات کے مطابق درج ذیل سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ سپاہی کے زمانے کے روپے، ارزانی اور سپاہی کی تنخواہ سے متعلق معلومات لکھیے۔

۲۔ سبق پڑھ کر اُس زمانے کی طرزِ معاشرت کی تفصیل تحریر کیجیے۔

۳۔ تباہ حال بُڑھیا کی مدد کے لیے سپاہی کے خیال کی وجہ قلم بند کیجیے۔

۴۔ اس سبق میں مذکور رہزنی کی واردات کو اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

۵۔ بٹ ماروں کے ذریعے جکڑے ہوئے سپاہی کے محسوسات اور خدشات کو لکھیے۔

۶۔ سلطان کے ذریعے رعایا کی بہبودی کے لیے کیے جانے والے کاموں کے بارے میں لکھیے۔

✻ اسباب بیان کیجیے۔

۱۔ مفتیِ اعظم کے فرمان کا لکھا جانا۔

۲۔ سپاہی کا اپنے آپ پر لعنت کرنا۔

✻ درج ذیل جملوں کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

۱۔ برساتوں میں ندی پر دریائے اعظم کا گمان ہونے لگتا۔

۲۔ اس علاقے کو خلق اللہ طنزاً پٹ پڑ گنج کہنے لگی تھی۔

۳۔ واللہ! وہ بھی کیا زمانے تھے۔ بارہ برس میں میرا درماہہ

بارہ تنکے سے بڑھتے بڑھتے بیس ہو گیا تھا۔

۴۔ جیٹھ نکل کر اساڑھ کی آمد آمد تھی۔ جب میں نے گھر جانے کا ارادہ کیا۔

۵۔ اکیلے دُکیلے کا اللہ بیلی!

۶۔ بندے کا بال بال آپ کے احسان سے گندھا رہے گا۔

* ذیل میں دیے ہوئے موضوعات پر ذاتی رائے تحریر کیجیے۔

۱۔ سلطان کا فرمان۔

۲۔ اس سبق کے حوالے سے کل اور آج کی زندگی میں نظر آنے والا فرق۔

۳۔ نیک شگون یا بدشگونی۔

۴۔ غصّے میں سپاہی کا بدزبانی کرنا۔

* ہدایات کے مطابق درج ذیل قواعدی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ جملے میں اسم، صفت اور فعل کی نشان دہی کیجیے۔
اسّی ہزار مسلح فوج ہر وقت تیار رہتی تھی۔

۲۔ جملے میں مبتدا اور خبر پہچانیے۔
میری سانس اب بالکل ہی رُکی جا رہی تھی۔

۳۔ مندرجہ ذیل جملوں کو مخلوط جملے میں تبدیل کیجیے۔
وقت کتنا گزر گیا تھا، مجھے اس کا کچھ علم نہ تھا۔ مغرب تو ہو ہی چکی تھی۔

۴۔ سبق میں استعمال کیے گئے دس محاوروں کو تلاش کر کے ان کا مفہوم لکھیے۔

۵۔ اس سبق کے الفاظ مدافعت، لعنت، تُف اور دن دہاڑے کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

سرگرمی/منصوبہ :

۱۔ یہ سبق شمس الرحمٰن فاروقی کے ناول 'قبض زماں' سے ماخوذ ہے۔ لائبریری یا انٹرنیٹ سے کتاب حاصل کر کے اس کا مطالعہ کریں اور اس پر اپنے خیالات کا اظہار کیجیے۔

۲۔ گیارھویں جماعت کی کتاب سے سبق 'کہانیاں رہیں نہ کردار' پڑھ کر اپنے تاثرات قلم بند کیجیے۔

۳۔ ماضی میں بٹ ماروں کی طرح 'ٹھگ' بھی ہوتے تھے۔ ان کے بارے میں معلومات حاصل کر کے مضمون لکھیے۔